فقہ

فرمایا کسی شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا اور اپنے سوال کے ساتھ ساتھ مختلف فقہاء کے مسالک کا تذکرہ بھی کیا کہ ان کے فتاویٰ تو یہ ہیں، اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم نے کبھی فقیہہ دیکھا ہے کہ کون ہوتا ہے؟ پھر فرمایا فقیہہ وہ ہے جس میں تین باتیں ہوں

① دنیا کی محبت سے پاک ہو۔

② اپنے دین اور مسلک سے صحیح معنی میں باخبر ہو۔

③ ہمیشہ اپنے پروردگار کی عبادت میں لگا رہے۔

فرمایا اصول فقہ کی کتاب ''مسلم الثبوت'' کی اصل دیکھنی ہو تو علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی ''التحریر'' ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کی ''مختصر'' اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''منہاج'' کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ حضرت محبّ اللہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی معروضات اس کے علاوہ ہیں۔ حنفی اور شافعی اصول فقہ خوب سمجھ میں آتے ہیں بشرطیکہ پڑھانے والا ان مباحث کو سمجھتا ہو۔ ملا حبیب اللہ قندہاری نے اپنی کتاب ''مغتنم الحصول فی علم الاصول'' میں ان مباحث کو لیا ہے، وہ بھی زیر مطالعہ رہنی چاہیے۔ لطف کی بات یہ بھی ہے کہ اس کتاب ''مسلّم الثبوت'' کی سب سے پہلی شرح ''الفوائد العظمیٰ'' بانی درسِ نظامی ملا نظام الدین فرنگی محلی المتوفی ۱۱۶۱ھ بمطابق ۱۷۴۸ء رحمۃ اللہ علیہ نے، مصنف قاضی محبّ اللہ بہاری المتوفی ۱۱۱۹ھ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی لکھ ڈالی تھی۔

فرمایا جو زمین پٹے (Lease) پر دی جاتی ہے اور دوامی پٹہ طے کرلیا جاتا ہے ان زمینوں میں قبرستان اور مساجد بنانا جائز ہیں کیونکہ یہ پٹہ ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے۔ مکانات بنالیتے ہیں۔ پھر توڑتے ہیں پھر نئے مکانات بنتے ہیں۔ یہ زمین اور مکانات وراثت میں تقسیم ہوتے ہیں۔ وصایا نافذ کی جاتی ہیں۔ نہ آج تک حکومت نے لوگوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کیا ہے اور نہ ہی ان زمینوں میں دفن مردوں کو اکھاڑا ہے۔ نہ قبریں مسمار کی گئی ہیں اور نہ ہی مساجد کو شہید کیا گیا ہے تو پھر یہ وقف یا پٹہ ہمیشہ کے لیے نہیں تو اور کیا ہے؟

اس لیے یہ وقف تابید ہے۔ شبہ نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے ہاں راولپنڈی کینٹ تقریباً سارے کا سارا اسی طرح دوامی پٹے پر ہے۔ حکومت نے آج تک رعایا، مساجد اور قبرستان کا ازالہ نہیں کیا بلکہ لوگوں کی ملکیت کا اثبات اور جب مدت وقف پوری ہوجائے تو اپنا حصہ وصول کرکے دوبارہ دائمی پٹے پر دے دیتی ہے۔ تو یہ تمام مساجد، قبرستان، وصایا کا نفاذ اور خرید وفروخت درست ہے۔ علامہ ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں اس مسئلے پر عمدہ بحث کی ہے۔

فرمایا خواتین اگر قبرستان جائیں اور غیر شرعی اعمال مثلاً بدعات اور بین وغیرہ کرنے کی مرتکب نہ ہوں تو ان کے لیے یہ زیارت قبور ممنوع نہیں۔ انھیں بھی مردوں ہی کی طرح اجازت ہے، منع نہیں کرنا چاہیے۔ اصل کام سے نہیں روکنا بلکہ اس مستحب کام کے ساتھ جو ناجائز امور بڑھا دیئے جاتے ہیں انھیں منع کرنا چاہیے۔ ہاں لوگ اگر باز ہی نہ آئیں تو

پھر اجازت ہے کہ اس مستحب کام کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ اس صورت میں مستحب کام (زیارت قبور) حرام کام (بدعات) کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب حج کے لیے مکہ مکرمہ جاتی تھیں تو راستے میں ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما کی قبر بھی پڑتی تھی، وہ اس قبر کی زیارت بھی کرتی تھیں۔ حنفی فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم میں سے امام علاؤ الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ رحمۃ اللہ علیہ نے جو ''کشف الاسرار عن اصول البزدوی'' میں عورتوں کے قبرستان جانے کا جواز لکھا ہے وہاں اسی روایت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے البحر الرائق میں بھی جواز ہی کا فتویٰ دیا ہے۔

فرمایا

وقف کی ہیئت صرف اسی صورت میں تبدیل کی جاسکتی ہے جب واقف نے نگرانِ وقف کو یہ اختیار دیا ہو کہ وہ وقف کی مصلحت ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے، ہیئت تبدیل کرسکتا ہے وگرنہ تو وقف کو اپنی اصل حالت میں باقی رکھنا واجب ہے۔

فرمایا

نماز جنازہ اور نماز عید دونوں ایسی نمازیں ہیں جن کی قضاء نہیں ہے۔ اس لیے شریعت نے یہ اجازت دی ہے کہ اگر ان دو فرض نمازوں کے قضاء ہونے کا خطرہ ہو تو خواہ پانی سامنے نظر آرہا ہو، وضو نہ کرو، تیمّم کرلو اور ان دونوں نمازوں کو پڑھو۔

فرمایا

انسانوں کی طرح جانوروں میں بھی خنثیٰ ہوا کرتے ہیں۔ نر و مادہ دونوں کی علامتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کوئی وجہ ترجیح نہیں ہوتی۔ نر یا مادہ ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تو

ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہوتی البتہ اس کو اگر ذبح کریں تو گوشت حلال ہوگا۔ ایسے کا گوشت گلتا بھی نہیں لیکن یہ گوشت کھانا جائز ہے۔

فرمایا

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قربانی کرو اور جانوروں کا خون بہانے پر تمہیں ثواب دوں گا۔ بس یہ بات ہے وگرنہ جانور کے خون بہانے پر ثواب ملنا ایسی بات ہی نہیں جسے عقل سلیم قبول کرے۔ اس لیے قربانی بھی فقط انہی جانوروں کی ہوگی جنہیں شرع نے متعین کیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر حلال جانوروں کی قربانی بھی درست نہیں۔ مثلاً کوئی نیل گائے کی قربانی کرنا چاہیے، تو درست نہ ہوگی۔

فرمایا

اُلّو حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں حضرت رسالت پناہ ﷺ نے ہر اس پرندے کو حرام قرار دیا ہے جو اپنے پنجوں سے شکار کرتا ہے اور حکمت اس کی یہ ہے کہ آدمی جو گوشت کھاتا ہے اس جانور کی بد خصلت اس میں آسکتی ہے۔ جو پنجے والا پرندہ پنجے سے بے رحمی اور سنگ دلی سے شکار کرتا ہے ڈر ہے کہ اس کی یہ سنگدلی انسان کی خصلت نہ بن جائے اور انسان اگر سنگدل ہو جائے گا تو نصیحت قبول نہیں کرے گا۔ الو نہ صرف یہ کہ اپنے پنجے سے، اپنے سے کمزور پرندوں کا شکار کرتا ہے بلکہ کبھی تو رات کے وقت کمزور بلیوں اور اس سے ملتے جلتے جانوروں کو بھی نہیں چھوڑتا۔ تو اس لیے اس کی حرمت میں شبہ نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں جو اُلو کو حلال لکھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر اصل

عربی عبارت میں لفظ ''بوم'' آیا ہے۔اب اس لفظ ''بوم'' کا ترجمہ کرنے والا کوئی مفتی اور فقیہہ تو تھا نہیں ،اس نے ترجمہ ''الو'' کر دیا حالانکہ عربی میں ''بوم'' ہر اس پرندے کو کہا جاتا ہے جو رات کی تاریکی میں اپنے آشیانے سے نکلتا ہے۔سو جو پرندے رات کو اپنے آشیانے سے نکلیں اور انکے پنجے نہ ہوں تو وہ کھانا جائز ہوں گے اور جن کے پنجے ہوں گے اور وہ ان سے شکار کرتے ہوں گے، اگر چہ وہ ''بوم'' تو ہوں گے لیکن ان کا کھانا ناجائز ہوگا۔اس لیے مترجم نے بوم بمعنی چغد یعنی ''الو'' ترجمہ کر کے اسے جائز لکھا حالانکہ یہ کیونکر حلال ہو سکتا ہے کیونکہ پنجے سے شکار کرتا ہے، گوشت خور ہے۔اس کے پنجے بہت سے شکاری پرندوں کے پنجوں سے زیادہ تیز ہیں۔نیپال میں ''اُلو'' بازاروں میں بکتے دیکھا۔لوگ خرید رہے تھے۔ایک ہندو شخص ایک سڑک کے کنارے بیٹھا بیچ رہا تھا۔وہاں اسے اور اس کے پنجوں کو خوب غور سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ایک شاعر نے کہا ہے

ے شاید وہ عاشقوں کو سمجھتا ہو بومِ محض
رکھتے ہیں جو وفا کی تمنا جفا کے بعد

ایک دور ایسا بھی تھا کہ شرفاء کسی احمق کو ''الو'' قرار دینا خلاف ادب سمجھتے تھے چنانچہ جس کو ''الو'' کہنا ضروری ہوتا تھا اسے ''گھگھو'' کہہ دیا کرتے تھے۔یہی لفظ اب تک پنجاب میں بولا جاتا ہے اور کسی کو بے وقوف کہنا ہو تو ''گھگھو'' بول دیتے ہیں۔

فرمایا

جس جگہ کوئی مسلمان شرعی حاکم نہ پایا جائے وہاں علماء اس شرعی حاکم کے قائم مقام بن جائیں گے۔اور اگر کسی ایک عالم پر لوگ متفق نہ ہو رہے ہوں تو پھر ہر علاقے

کے لوگوں کو چاہیے کہ اپنے علاقے کے سب سے بڑے عالم دین کا اتباع کریں۔ اور اگر علماء علم میں برابر ہوں تو پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کر لینی چاہیے۔

فرمایا حکمران وقت خواہ مسلمان ہو یا کافر، عادل ہو یا ظالم، مسلمانوں کے باہمی تنازعات یا امور شرعیہ کے فیصلے کے لیے جب وہ کسی مسلمان عالم دین کو قاضی مقرر کر دے گا تو اس قاضی کا تقرر درست ہوگا۔

فرمایا بعض لوگ اپنے ورثاء کو بغیر عذر کے، اپنے ورثے سے محروم کرنے کی چالیں چلتے رہتے ہیں کہ اپنا ترکہ ہی نہیں چھوڑنا چاہیے کہ کل ان کی اولاد یا رشتے دار ان کی وراثت سے فائدہ اٹھائیں۔ تو انھیں سوچنا چاہیے کہ جیسے وہ ورثے سے محروم کر رہے ہیں کہیں موت کے بعد اپنے حقیقی والد سیدنا آدم علیہ السلام کے ورثے (جنت) سے خود محروم نہ ہو جائیں۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا دی ہے کہ جو شخص اپنے ورثاء کو ترکہ دینے سے گریز کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اسے اس کی میراث (جنت) سے محروم کر دے۔ ہاں کوئی شرعی عذر ہو مثلاً اولاد فاسق وفاجر ہو اور یقین ہو کہ میرا ترکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال ہوگا وغیرہ وغیرہ تو پھر اس صورت میں ورثاء کو محروم رکھنا مستحب ہے۔

فرمایا شوہر جو اشیاء گھریلو استعمال کے لیے، خرید کر گھر لاتا ہے اور بیوی کے حوالے کر دیتا ہے مثلاً پنکھا، کرسیاں، صوفہ، میز، برتن وغیرہ تو جب تک صراحتاً یا قرائن سے یہ بات

واضح نہ ہو جائے کہ اس نے یہ سامان اپنی بیوی کی ملکیت میں دے دیا ہے، اس وقت تک اس سامان کا مالک شوہر ہی گِنا جائے گا اور اس کے مرنے کی صورت میں یہ اشیاء اس کی وراثت میں شمار کی جائیں گی۔ یہ سمجھا جائے گا کہ یہ تمام اشیاء اس مرد نے اپنی بیوی اور بچوں کو محض استعمال کے لیے دی تھیں، مالک نہیں بنایا تھا۔ شوہر کی خریدی ہوئی چیز سے عورتیں فائدہ اٹھاتی ہیں اور شوہر اپنی بیوی اور اولاد کے ان اشیاء کے استعمال کرنے پر خوشی کا اظہار بھی کر دیتا ہے تو بھی یہ ان کے مالک ہونے کی دلیل نہیں۔ ملکیت کے لیے صراحت یا دلالت یا قرائن چاہییں۔

فرمایا

یہ جو لوگ اخبارات میں اشتہارات دیتے پھرتے ہیں کہ ہم نے اپنی اولاد کو وراثت سے عاق کر دیا، یہ اعلانات محض بے کار ہیں۔ کوئی شخص وصیت بھی کر جائے کہ میرا سارا مال فلاں کو دے دیا جائے یا فلاں کو محروم کر دیا جائے تو اس کی وصیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ میراث دینے والے خود اللہ تعالیٰ ہیں نہ تو کوئی شخص کسی کا یہ حق ساقط کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی شخص خود اپنا یہ حق ساقط کر سکتا ہے۔ وارث اگر کہہ بھی دے —— جیسے کہ ہمارے معاشرے میں خواتین یہ کہہ دیا کرتی ہیں —— میں نے اپنا حصہ وراثت چھوڑ دیا تو بھی کہنے والے کا حق ساقط نہ ہوگا جبراً ان خواتین کو وارث بنایا جائے گا۔ وراثت سے محروم کرنے یا خود ہو جانے کی کوئی صورت نہیں۔ صرف دو صورتوں میں حق وراثت کسی مسلمان سے ساقط ہوگا ایک تو یہ کہ مثلاً کوئی خاتون اپنا حق وراثت قبضے میں لے کر کسی کو دے دے تو اب جس کو یہ دیا جا رہا ہے اس کے لیے یہ ہدیہ ہو جائے گا، وراثت نہ رہے گی

اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص حالت صحت میں اپنا مال خود ختم کردے تو اب موت کے بعد اس کا کوئی ترکہ نہ ہوگا تو جب ترکہ ہی نہ رہا تو وراثت کا ہے میں تقسیم ہو۔ ارتداد وغیرہ کی صورتیں اس مسئلے سے الگ ہیں۔

فرمایا

منصوص مسائل کے بالمقابل لوگوں کا تعامل معتبر نہیں ہوتا۔

فرمایا

فقہاء احناف رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی کتب فتاویٰ میں جن اقوال کو مرجوح قرار دیا ہے، ان کے مطابق فتویٰ دینا جائز نہیں۔ مرجوح اقوال پر فتویٰ منصب افتاء کے خلاف بھی ہے، جہالت بھی ہے اور اجماع کو باطل قرار دینا بھی ہے۔

فرمایا

سود کے حرام مال کا اگر کوئی شخص مالک بن جائے تو وہ ملک خبیث ہے۔ اس لینے والے پر فرض ہے کہ یہ ناپاک مال جن افراد سے لیا ہے انھیں واپس کرے اگر وہ لوگ زندہ نہ ہوں تو ان کے ورثاء کو ڈھونڈ کر واپس کرے وہ بھی نہ ملیں تو بغیر نیت ثواب اس مال کو صدقہ کردے۔ اور اگر وراثت میں سودی مال ایسا ملے کہ اصل مالکان کا بھی معلوم نہیں اور اس سودی مال کے ساتھ کچھ حلال مال کی بھی آمیزش ہے تو اب تقویٰ تو یہ ہے کہ کل مال صدقہ کردے، یہ بہتر ہے اور اگر صدقہ نہ کرے اور اس مخلوط مال کو اپنی ضروریات میں استعمال کرے تو جائز ہے۔ مال کا حرام ہونا، پشت بہ پشت چلتا رہتا ہے لیکن وراثت میں یہ صورت نہیں ہوتی۔ حرام کی وراثت اگر اصل مالکان یا ان کے ورثاء

معلوم ہیں تو انھیں لوٹائی جائے، وگرنہ یہ مال اصل مالکان کی طرف سے نیت کر کے، صدقہ کر دیا جائے اور اگر حرام و حلال مخلوط ہو تو یہ مال مشتبہ بھی ہے اور پھر اگر اصل مالکان کا بھی علم نہیں تو اب وارث کے لیے جائز ہے لیکن اس سے بھی بچے تو تقویٰ اور رضائے الٰہی کا سبب ہے۔

فرمایا اکابرین امت کا احترام چاہیے جو دنیا کا نظام قائم رکھنے اور آخرت میں نفع بخش ہے لیکن پرستش نہیں کرنی چاہیے۔ یہود و نصاریٰ اسی سبب سے اپنے دین میں تحریف کے مرتکب ہوئے کہ ان کے ہاں جس کسی نے کوئی مسئلہ طے کر دیا اب دلائل سے اس کے خلاف ثابت بھی ہو جائے تو بھی نہیں ماننا، اپنے علماء و مشائخ کو شارع کا درجہ دے دیا۔ یہ ''شرک فی الرسالۃ'' تھا جو آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا اور شرک باللہ کا سبب بنا۔ ایسے ہی اکابرین امت کا احترام نہ کرنا، ان کی مساعی کی قدر نہ کرنا، انکے مقام سے ناواقفیت اور ان کی توہین تو نہایت خطرناک ہے۔ یہ قبیح حرکت تو کبھی کبھی سلب ایمان کا موجب بن جاتی ہے۔ ہمارے دور کے بعض اہل حدیث نوجوان اور وہابی تو خاص طور پر اس مصیبت میں مبتلا ہیں۔

اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور انھیں سلامتی کی راہ نصیب فرمائے۔ اپنے اکابر سے علمی اختلاف ہمیشہ امت میں رہا ہے۔ چاہیے کہ اختلاف اور احترام کو جمع کیا جائے۔ دیکھیے علامہ احمد بن عمرو بن مہیر الشیبانی المعروف امام ابوبکر خصاف رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۶۱ھ کس قدر بلند پایہ شخصیت ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے صرف دو واسطوں سے شاگرد ہیں، فتویٰ یہ دیتے ہیں کہ نکاح میں لڑکی کا وکیل، لڑکی کی غیر موجودگی میں، اس کا نام لیے بغیر

نکاح کر دے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ حضرت شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتوے کا بہت احترام کیا ہے اور فرمایا کہ حضرت ابو بکر خصاف رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ ہستی تھے ان کے فتوے کو مانا جائے لیکن اس کے باوجود علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتوے پر اپنی رائے تحریر فرمائی کہ حضرت خصاف رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ امام کبیر تھے لیکن فقہ حنفی میں فتویٰ اس کے برعکس ہے۔

ایک دوسری مثال دیکھیے ایک شخص نے کسی سے دس لاکھ روپے قرض لیے۔ اب واپس نہیں کرتا۔ تو جس شخص نے قرض دیا ہے کیا اس کے لیے یہ درست ہوگا کہ وہ اپنے قرض کے عوض اس شخص کی کسی ایسی گاڑی پر قبضہ کر لے، جس کی مالیت بھی دس لاکھ ہے۔ حنفی فقہاء رحمۃ اللہ علیہم اسے جائز نہیں کہتے تھے کہ شے کی جنس بدل گئی۔ قرض تو دس لاکھ کے نوٹ دیے تھے اور واپس گاڑی لی جارہی ہے جو کہ نوٹ نہیں ہیں۔ لیکن علامہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتوے سے اختلاف کیا اور لکھا کہ میرے والد کے نانا جمال اشقر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ دیا کہ خلاف جنس قرض وصول کرنے کا فتویٰ اکابر کے دور میں اس وجہ سے تھا کہ لوگ قرض کی ادائیگی میں شریعت کا خیال رکھتے تھے اور اب لوگ قرض لے کر بے فکر ہو جاتے ہیں مسلسل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں یعنی رقم ہونے کے باوجود قرض ادا نہیں کرتے اس لیے اب فتویٰ یہ ہوگا کہ خلاف جنس سے قرض واپس لے لینا درست ہے۔ اس طرح کی سینکڑوں مثالیں مل جائیں گی کہ اکابر نے اصاغر کے قول کو قبول کیا اور اصاغر نے اکابر کے اقوال سے ہٹ کر فتویٰ دیا تو یہ علمی اختلافات ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ اس میں نہ تو کسی کی توہین ہے اور نہ عدم احترام۔ اگر کوئی شخص اسے عدم احترام سمجھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی طبیعت میں اعتدال پیدا کرے۔

فرمایا حضرت امام ابوبکر خصاف الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد عمرو بن مہیر الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسن بن زیاد مؤلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور وہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے، سو اس طرح امام ابوبکر خصاف رحمۃ اللہ علیہ بدو واسطہ حضرت الامام الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ حدیث میں ابوداؤد الطیالسی، مسدد بن سرھد، علی بن مدینی، ابونعیم، فضل بن دکین، امام واقدی، سفیان بن عیینہ، کندی، وکیع بن الجراح، ابن ابی الزناد جیسے محدثین اور فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے شاگرد تھے۔ بہت کتابیں تحریر فرمائیں۔ کتاب الوصایا، کتاب الشروط الکبیر، کتاب الرضاع، کتاب النفقات علی الاقارب، کتاب ذراع الکعبۃ، کتاب احکام الوقف، کتاب المسجد والقبر اور ان کے علاوہ بھی بہت کتابیں ہیں لیکن افسوس کہ اب اکثر کتابیں نہیں ملتیں۔ خلیفہ وقت المھتدی باللہ العباسی کو ان کے فتوے پر بہت اعتماد تھا اور انھیں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا لیکن جب وہ قتل ہوا تو شہید کرنے والوں نے اسے جان سے اور انھیں کتابوں سے محروم کر دیا۔ ان کی کتابوں کی لوٹ مار ہوئی اور کچھ مسودات وہ ساتھ لے گئے، انہوں نے اس خلیفہ وقت کے لیے ایک کتاب ''کتاب الخراج'' بھی لکھی تھی۔ متقی اتنے تھے کہ ہمیشہ اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کر کے اپنا رزق کماتے رہے۔ محنت کیا تھی؟ چمڑے سے جوتے بنانا، پیشے سے آدمی کا مرتبہ متعین نہیں ہوتا، ذات اور پیشہ دیکھیے اور علمی مرتبت اور جلالت شان دیکھیے۔ احناف کے آئمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی کتاب النفقات کی شروح امام ابوبکر جصاص رازی، امام حلوانی، امام سرخسی، امام اِسبیجابی اور حضرت صدر الشہید رحمۃ اللہ علیہم جیسی ہستیوں نے تحریر فرمائی ہیں

لیکن افسوس کہ اب ان میں سے اکثر شروح نایاب ہیں۔

فرمایا

ہر جھگڑے میں، فیصلے کی غرض سے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے گا مگر ہر شخص کو بلا واسطہ رجوع کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یہ ضروری ہے کہ رجوع کرے لیکن جو کچھ حکم ہو اس کو سمجھنے کے لیے واسطہ ضروری ہوتا ہے اور اسی واسطے کی، اتباع تقلید کہلاتی ہے۔

فرمایا

قربانی کی کھال شوہر اور بیوی ایک دوسرے کو ہدیہ کر سکتے ہیں اور جو ہدیہ قبول کرے اگر اس ہدیے کو بیچ دے تو اس کی قیمت اسے استعمال کرنا درست ہے۔ مثلاً شوہر نے قربانی کی اور اپنے جانور کی کھال بیوی کو ہدیہ کر دی، بیوی نے یہ کھال فروخت کر کے دام کھرے کیے تو اب یہ رقم اس بیوی کو خرچ کرنا درست ہے۔ ایسے ہی قربانی کی کھال سادات کرام کو دینا بھی جائز ہے۔

فرمایا

نکاح اور طلاق کو لوگوں نے کھیل سمجھ رکھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نکاح کو ''میثاق غلیظ'' (نہایت پختہ عہد) فرماتا ہے۔ یہ اتنا مظبوط عہد ہے کہ شوہر کو اگر کوڑھ یا پھلبہری ہو جائے تو بھی عورت طلاق کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور شوہر بیوی کے ساتھ کسی نقص کی وجہ سے صحبت نہ کر سکے مثلاً بیوی کے ستر کا مقام جڑ گیا اور مرد دخول نہیں کر سکتا یا بیوی کے اس مقام پر ہڈی ابھر آئی اور شوہر اپنی ضرورت پوری نہیں کر سکتا تو پھر بھی بیوی کا کوئی قصور نہیں وہ ان

وجوہ کی بنا پر اسے طلاق دینا تو درکار، اس کا نان ونفقہ بھی بند نہیں کر سکتا۔

فرمایا جو شخص حرام مال چھوڑ کر مر جائے تو اس کے ورثاء کو چاہیے کہ اس کل مال کو صدقہ کر دیں کیونکہ اب انھیں تو معلوم نہیں کہ یہ مال کس کس شخص سے وصول کیا گیا ہے اور اس مال کا اصل مالک کون ہے۔ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے لکھا ہے کہ یہ تمام مال اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ کر امانت رہے گا اور قیامت میں تفصیلی حساب کے وقت اللہ تعالیٰ یہ مال اصل مالکوں کو اس ظالم شخص کی طرف سے پہنچا دے گا۔ فتاویٰ عالمگیری میں متفرق مسائل کے ضمن میں جہاں غصب کے مسائل تحریر کیے گئے ہیں، وہاں یہ مسئلہ مل جائے گا۔

فرمایا اگر کوئی دوست ولیمہ کی دعوت دے اور اس تقریب میں کوئی شریعت کے خلاف کام نہ ہو، تو ایسی دعوت کو قبول کرنا بعض فقہاء کرام کے نزدیک تو واجب ہے کہ اسے قبول نہ کرنے پر، گنہگار ہوگا چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے واجب کے قریب لکھا ہے اور فتویٰ اس بات پر ہے کہ اس دعوت میں جانا، بشرطیکہ کوئی غیر شرعی کام نہ ہو رہا ہو، تو سنت مؤکدہ ہے اور کھانا کھالے تو بہت اچھا ہے کہ دوستوں کو دلی خوشی ہوگی اور اگر کسی وجہ سے نہ کھا سکے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔

فرمایا جانور کو ذبح کرنے کے لیے جب قصاب چھری چلائے اور کوئی انسان قربانی کے ارادے سے اس قصاب کی چھری پر ہاتھ رکھ کر اس چھری کو چلانے لگے تو اس کے

لیے بھی یہ ضروری ہوگا کہ وہ تکبیر پڑھے۔دونوں پر تکبیر ذبح واجب ہے۔اگر ایک نے بھی یہ سوچا کہ دوسرا تو تکبیر پڑھ ہی رہا ہے مجھے کیا ضرورت ہے اور تکبیر نہ پڑھی تو جانور حرام ہو جائے گا۔

فرمایا

حربی کافر کو مسلمان صدقہ نہیں دے سکتا۔احناف نے لکھا ہے کہ اگر چہ وہ مستامن بھی ہو تو بھی اسے تمام صدقات دینا ناجائز ہے۔اس کے ساتھ صلہ رحمی بھی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس پر احسان کیا جائے گا۔

فرمایا

عقیقہ کے لیے جو جانور ذبح کیا جاتا ہے،اس کی ہڈیاں توڑنے میں کوئی حرج نہیں۔

فرمایا

عقیقہ درحقیقت اولاد کی ولادت پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔اس لیے مردہ بچے کا کوئی عقیقہ نہیں۔

فرمایا

یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے تو اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے نگاہ اٹھائی اور دور فاصلے پر اسے ایک عورت نظر آئی،اب یہ اسے دیکھنے کی نیت سے بار بار نگاہ اٹھاتا ہے۔اس غیر محرم کو دیکھنا چاہتا ہے،لیکن جب بہت قریب آیا تو معلوم ہوا کہ یہ تو نظر کا دھوکہ تھا،کوئی عورت نہیں بلکہ یہ تو ایک درخت ہے۔اس فعل پر گناہ ہوگا کیونکہ نیت تو غیر محرم کو دیکھنے کی تھی چنانچہ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے تصریح کی ہے۔

فرمایا

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے روم کی فتح کے بارے میں جو شرط لگائی تھی، جب کفار مکہ وہ شرط ہار گئے تو آپ نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے شرط میں طے شدہ اونٹ کفار مکہ سے لے لیے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار مکہ حربی کافر تھے۔ اور حربی کافر کا مال معصوم نہیں ہوا کرتا، اگر ان کا مال معصوم ہوتا تو پھر یہ معاملہ جوا ہو جاتا۔ اور جوئے کا مال سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ باجازت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم لے لیں یہ کیسے ممکن ہے۔

فرمایا

خواتین اپنی آرائش و زیبائش کے لیے جیسے کان چھدواتی ہیں، ایسے ہی ناک کا چھدوانا اور زیور پہننا جائز ہے۔

فرمایا

حضرت الامام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ کے کیا کہنے، حقیقتاً فقیہہ النفس تھے۔ ان کے فتاویٰ میں ایک مسئلہ لکھا ہے جس پر احناف کثر اللہ سوادھم کے مخالفین بہت جھلّاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ جس شخص کی نکسیر پھوٹ پڑے اور خون بند نہ ہو اور وہ اپنی پیشانی پر اسی خون سے قرآن کریم کی کوئی آیت لکھے تو کیسا ہے؟ حضرت ابوبکر اسکاف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جائز ہے۔ پھر ان سے عرض کیا گیا کہ اگر پیشاب سے کوئی آیت لکھے تو جائز ہے؟ فرمایا اگر اس میں شفاء معلوم ہو تو یہ بھی جائز ہے عرض کیا

گیا کہ اگر مردار جانور کی کھال پر قرآن لکھے تو؟ فرمایا یہ بھی جائز ہے۔ اب اس مسئلے کو بیان کرتے ہیں اور احناف رحمۃ اللہ علیہم کو مطعون کرتے ہیں۔ جب کوئی سنتا ہے تو قرآن کریم کی نسبت سے یہ سب کچھ سن کر واقعی اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ لیکن اس مسئلے کی حقیقت یہ ہے کہ فقہائے احناف رحمۃ اللہ علیہ اس فتوے کے ساتھ پہلی شرط یہ لگاتے ہیں کہ نکسیر کا خون اس قدر بہہ رہا ہو کہ تھمتا ہی نہ ہو حتیٰ کہ زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ اب انسان غور کرے کہ ایسی حالت میں تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں سور کے گوشت کو کھانے کی اجازت دیتے ہیں، یہ فتویٰ تو کم درجے کا ہے کہ سور کا گوشت تو جزو بدن بنے گا۔ اب احناف رحمۃ اللہ علیہم کے اس فتوے کو غلط استعمال کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی عیسائی کل کو یہ کہے کہ مسلمانوں کی مذہبی کتاب، قرآن میں سور کا کھانا جائز لکھا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ حضرت قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری شرط یہ تحریر فرمادی کہ یہ عمل اس وقت جائز ہوگا جب پورے یقین سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس طرح کرنے سے خون رک جائے اور انسانی زندگی بچ جائے گی۔ خود ہی انصاف کرنا چاہیے کہ اگر یقین سے یہ بات معلوم نہ ہو تو پھر جائز ہی نہیں ہوگا۔ اور اگر یقین سے معلوم نہ ہو اور پھر انسانی جان کا ضیاع ہو جائے کچھ پروا نہیں کرنی چاہیے کون عقلمند یہ مشورہ دے گا۔ اس لیے اس شرط کے بعد ہی بات بنے گی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس عمل کے علاوہ کوئی دوا کارگر نہ ہو سکے تو یہ عمل جائز ہے۔ اب تو سائنس کی ترقی سے ایسی ایسی ادویہ بازار میں میسر ہیں کہ ان اعمال کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اس لیے یہ عمل زمانہ قدیم میں بحالت اضطرار شاید ہوتا ہوگا تو اس زمانے کے اعتبار سے یہ فتویٰ ہوگا اور یہ کون ثابت کر سکتا ہے کہ اس فتوے پر کبھی عمل بھی ہوا ہے۔ بسا اوقات لوگ محض فرضی

سوالات دریافت کرتے ہیں۔ اور یہ فعل واقع نہیں ہوتا۔ حضرت قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ کی ان تین شرائط کے بعد احناف رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں چوتھی شرط یہ ہے کہ مریض کے لیے کوئی متبادل دوا تو ہو لیکن فوری طور پر مل نہ رہی ہو تو پھر یہ عمل جائز ہے۔ گویا کہ مریض کی جان بچانے کے لیے یہ عمل کیا جا سکتا ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ جو عمل ان چار شرائط کے ساتھ مقید ہو ① مریض کے مرنے کا اندیشہ ② عمل سے یقینی طور پر زندگی کا بچاؤ ③ عمل کے علاوہ کوئی دوا نہ ہو ④ دوا ہو لیکن دستیاب نہ ہو، تو پھر یہ عمل کیا جا سکتا ہے۔ اب کہاں یہ چار شرائط اور کہاں یہ کہنا کہ احناف کے نزدیک ناپاک خون اور پیشاب سے قرآن لکھنا جائز ہے۔ جب خوف خدا نہ ہو تو پھر تہمت گھڑنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ اس طرح تو قرآن کریم سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ کفر کا کلمہ بکنا توہین رسالت کا ارتکاب اور گنہگار کی توبہ کبھی قبول نہ ہونا سبھی باتیں قرآن میں لکھی ہیں۔

فرمایا اہلیہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں تین مقاصد یا نیتیں ہونی چاہیں ① اللہ تعالیٰ صالح اولاد عطا فرمائیں۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو شادیاں اسی غرض سے کرتے رہے کہ اولاد صالحہ میں اضافہ ہو ② بیوی کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کہ حقوق العباد میں بیوی کا ایک اہم حق یہ بھی ہے ③ اپنے اطمینان نفس کے لیے کہ ذہن پرسکون ہو اور اپنے دینی اور دنیوی کام، اطمینان سے پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔

فرمایا کسی شخص کے پاس کوئی ایسا مشتبہ مال ہو جسے اس نے خیرات کرنا ہے تو یہ

ضروری تو نہیں کہ وہ اس مال کو کسی غیر پر خیرات کرے یا مسجد کے بیت الخلاء بنوا دے اگر اس مال کو وہ اپنے بھائی کو دے دے، والد کو دے دے یا خاندان میں ہی کسی کو دے دے تو اس کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی۔

فرمایا

حضرت رسالت مآب ﷺ صغائر و کبائر تمام گناہوں سے معصوم تھے اس لیے کوئی امتی ان کے لیے دعائے مغفرت مانگے، یہ جائز کیا، گناہ کی بات ہے۔ کیونکہ یہ وہم پیدا ہوگا کہ ان سے کوئی کوتاہی ہوگئی تھی جو امتی ان کے لیے دعائے مغفرت مانگ رہا ہے۔

فرمایا

خطبہ جمعہ جب شروع ہو جائے تو پھر اس کے سننے کا حکم نماز ہی کی طرح کا ہو جاتا ہے یعنی جیسے نماز میں کھانا پینا، بات چیت کرنا، اِدھر اُدھر دیکھنا، گھڑی دیکھنا، پیدل چلنا، کوئی فضول حرکت کرنا وغیرہ سبھی کام منع ہیں ایسے ہی یہ کام اگر کوئی خطبہ کے دوران کرے تو گنہگار ہوگا۔

فرمایا

وقف کو دوبارہ وقف نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً ایک مقام پر قبرستان تھا اور اس کی زمین وقف تھی اب اگر کوئی یہ چاہے کہ ان تمام قبروں کو مٹا کر دوبارہ اس زمین کو مسجد کے لیے وقف کر دے تو حرام ہے وہ دوبارہ وقف ہو نہیں سکتی کیونکہ اب اس پر قبرستان بن چکا۔

فرمایا جس شخص کو شریعت کا ضروری علم بھی حاصل نہ ہو مثلاً اسے یہ نہ پتہ ہو کہ غسل یا وضو کب فرض ہوتا ہے یا نماز کے فرائض کیا ہیں یا نماز کن کاموں سے ٹوٹ جاتی ہے یا نماز با جماعت کو جان بوجھ کر ترک کر دیتا ہے یا اپنی اولاد کو گالیاں دیتا ہے، محلے وغیرہ میں لوگوں کو گالیاں دیتا پھرتا ہے یا اسے معلوم ہی نہیں کہ ضروریات دین کیا ہیں تو ایسا شخص خود ہی فاسق ہو جائے گا اور عدالت میں اس کی گواہی قابل قبول نہ ہو گی۔

فرمایا کسی شخص نے اپنی زکوٰۃ کا وکیل کسی دوسرے شخص کو بنایا اور اسے اجازت دی کہ وہ زکوٰۃ کی رقم جس مستحق کو چاہے، دے دے تو اگر یہ وکیل خود مستحق ہے یا اس کی اولاد، بیوی وغیرہ مستحق ہیں تو یہ زکوٰۃ کی رقم یہ خود بھی رکھ سکتا ہے اور اپنی بیوی اور بچوں کو بھی دے سکتا ہے کیونکہ زکوٰۃ دینے والے (مالک مال) نے اسے مطلقاً اجازت دے دی ہے۔

فرمایا جس شخص کے ورثاء مالدار ہوں یا اسے معلوم ہو کہ اگر میں اپنے مال میں سے ۳/۱ حصے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دوں اور اس کے بعد بھی جو میرا مال یا جائیداد بچے گی، میرے ورثاء میں سے ہر ایک کا حصہ اسے مالدار کر دے گا تو اس شخص کے لیے بہتر یہ ہے کہ اپنے مال میں سے ۳/۱ حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دے اور اگر اسے معلوم ہو کہ جو مال اور جائیداد میں چھوڑ کر دنیا سے جاؤں گا، اس کے حصے جب تقسیم ہوں گے تو میرے تمام ورثاء مالدار نہ بن سکیں گے تو پھر ایسے شخص کے لیے ثواب کی بات یہ ہے کہ وہ

اپنے مال میں سے ۳/۱ حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی وصیت نہ کرے کیونکہ وہ ۳/۱ حصہ اللہ تعالیٰ کی جس راہ میں بھی خرچ کرے گا مثلاً مسجد کی تعمیر، مدرسے کی مدد، بیماروں کی ادویہ، یتیم خانہ وغیرہ ان تمام مصارف سے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کا خیال کرے اور انھیں کھاتا پیتا چھوڑ کر جائے اور اگر اولاد نالائق ہو اور معلوم ہو کہ یہ میرے چھوڑے ہوئے مال یا جائیداد کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ذریعہ بنادیں گے تو ایسی نالائق اولاد کو وراثت سے محروم کر دینا بہتر ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی زمین اس کی نافرمانیوں سے پاک رہے۔

فرمایا

اگر کوئی شخص تلاوت قرآن کریم میں اتنا مصروف ہوگیا کہ فرض نماز کی جماعت جاتی رہی تو ایسی تلاوت کرنا گناہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص اتنی تلاوت کرے کہ کمزور پڑ جائے اور رمضان شریف کا فرض روزہ نہ رکھ سکے تو ایسی تلاوت کرنا جائز ہی نہیں گناہ کی بات اور حرام ہے۔ کسی شخص نے فرض روزہ رکھا اور پھر اتنی کمزوری ہوگئی کہ فرض نماز کھڑے ہو کر ادا نہیں کرسکتا تو اسے فرض روزہ چھوڑ دینا جائز نہیں روزہ رکھے اور فرض نماز بیٹھ کر ادا کرے۔

فرمایا

مال اور سونے چاندی وغیرہ پر جونہی سال پورا ہو یا جونہی زکوٰۃ کی ادائیگی کا دن آئے، اسی دن زکوٰۃ فوراً ادا کرنا ضروری ہے، بغیر کسی عذر کے زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں کی جاسکتی ہے اسے رد کردینا چاہیے۔

فرمایا کسی شخص نے کوئی فرض نماز پڑھنی شروع کی پھر اسے خیال آیا کہ یہ نماز تو میں پڑھ چکا ہوں اور اس نے نماز توڑ دی تو درست کیا اب اس کے ذمے کوئی قضا نہیں لیکن کسی شخص نے نفل نماز شروع کی اور پھر اسے توڑ دیا تو اس کے ذمے ان نفلوں کو دوبارہ پڑھنا یعنی انکی قضا کو ادا کرنا یعنی دو نفل پڑھنا واجب ہے۔

فرمایا مفتی کو جب فتویٰ دینے کے لیے دو صحیح قول مل جائیں اور کسی ایک قول کو ترجیح دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آ رہی ہو تو پھر کسی بھی ایک قول پر افتاء و قضاء جائز ہوتی ہے۔

فرمایا چند مسافر مل جائیں اور بروز جمعہ اپنا جمعہ قائم کرنا چاہیں تو جمعہ تو درکنار نماز ظہر بھی باجماعت نہیں پڑھ سکتے، شہر کے جمعہ میں شرکت کریں۔ شہر کی نماز جمعہ سے پہلے اور نماز جمعہ کے بعد بھی مسافر، قیدی اور معذور افراد اپنی نماز ظہر علیٰحدہ علیٰحدہ پڑھیں۔ جماعت کرانا جائز نہیں۔

فرمایا کسی بھی حدیث پر کوئی حکم لگانے کے معاملے میں محدثین اور فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے طریقہ کار میں فرق ہے۔ محدثین جب کسی حدیث کو ضعیف، منکر یا غریب کہتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو حدیث اس وقت پیش نظر ہے اس کی سند یا متن میں ضعف یا نکارت ہے یہ ضروری نہیں ہوا کرتا کہ اسی حدیث کے باقی طرق بھی ضعیف یا منکر ہوں۔ عین ممکن ہے کہ وہ حدیث کسی اور سند یا متن کے اعتبار سے بالکل صحیح ہو لیکن فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا طریقہ مختلف ہے کہ وہ جب کسی حدیث کو موضوع کہتے ہیں تو اس حدیث کے متن پر

موضوع ہونے کا حکم لگا رہے ہوتے ہیں کہ اس حدیث کے جتنے بھی متون ہیں سب موضوع ہیں۔

فرمایا

''سَفَہ'' اور ''عَبَث'' میں فرق ہے۔ ''اَلْعَبُثُ'' کے معنی ہیں کسی سنجیدہ کام کے ساتھ کھیل کود کو شامل کر دینا۔ اسی لیے وہ کھانا جو مختلف اشیاء کو باہم ملا کر پکایا گیا ہو ''اَلْعَبُثُ'' کہلاتا ہے۔ کھجور، گھی اور ستو کو ملا کر جو آمیزہ یا کھانا تیار کیا جاتا ہے اسے ''عَوْبَثَانِیُ'' کہا جاتا ہے۔ سنجیدہ کام ہمیشہ کسی غرض کے تحت کیے جاتے ہیں اور کھیل کود کے کام عام طور پر بغیر کسی صحیح غرض کے غفلت سے انجام پاتے ہیں اس لیے ''اَلْعَبُثُ'' اس کام کو بھی کہتے ہیں جس کا مقصد صحیح نہ ہو۔ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اپنی اصطلاح میں ''عَبَثُ'' اس فعل کو کہتے ہیں جس فعل کو کرنے والے کی غرض صحیح نہ ہو۔ یا اس کی غرض شرعی نہ ہو، مثلاً ایک شخص رقم اس غرض سے جمع کرے کہ اس سے شراب پیئے گا تو اس کا یہ فعل عَبَثُ ہے، اسی لیے فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم ہر عبث کام کو حرام کام قرار دیتے ہیں۔ اور سَفَہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام جس کا کوئی مقصد ہی نہ ہو دراصل یہ لفظ (سَفَہ) بنیادی طور پر ہلکے پن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ہلکی چیز قیام پذیر نہیں ہوتی اور اس میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ اسی لیے ''مہار'' کو ''زِمَامُ سَفِیْہٌ'' کہا جاتا ہے کہ وہ ہر وقت متحرک رہتی ہے اسے قرار نہیں ملتا۔ ''ثَوْبٌ سَفِیْہٌ'' ردی اور بے کار کپڑے کو کہا جاتا ہے اور اسی وجہ سے وہ انسان جو ہلکا ہو، جس کی رائے میں استقامت نہ ہو لمحہ بہ لمحہ اپنے فیصلے اور سوچ تبدیل کرتا رہے اسے بھی ''سَفِیْہٌ'' بیوقوف کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی زندگی، اس کی فکر، اس کا کلام اور اس کے فیصلے سب بے مقصد ہوا کرتے ہیں۔ اس وجہ سے فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یہ ''عَبَث'' سے

بھی بدتر ہے کہ وہ تو ایسا کام کرتا ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ اٹھاتا ہے۔ بیوقوف آدمی یا تو عقل سیکھنے کی کوشش کرتا رہے اور یا پھر عقلمندوں کی مجلس میں بیٹھ کر ان کی گفتگو سنے اور ان کے اعمال کی علت سمجھنے کی کوشش کرے اور یا پھر اپنے آپ کو کسی عقلمند کے حوالے کر دے اور یا پھر خاموشی سے موت کا انتظار کرے۔

فرمایا مستحب کام نہ کرنے سے کراہت تنزیہہ لازم نہیں آتی۔ کراہت تنزیہہ ہو یا تحریمہ اس کے ثبوت کے لیے ہمیشہ دلیل درکار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ رکوع کرو اور سجدہ کرو اس لیے نماز میں رکوع اور سجدہ کیا جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ارشاد فرمایا گیا کہ رکوع کرو تو ایک رکعت میں ایک رکوع کر لیا گیا۔ حکم ربانی کی اطاعت ہو گئی۔ پھر فرمایا گیا کہ سجدہ کرو تو اگر ایک سجدہ بھی کر لیا جاتا تو آیت کریمہ پر عمل ہو جاتا پھر سجدے دو کیوں اختیار کیے گئے؟ اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ اس آیت میں اجمال ہے تفصیل نہیں ہے۔ اور اس آیت پر عمل کرنے کے لیے تفصیل ہمیں حضرت رسالت مآب ﷺ کے عمل سے ملے گی کہ آپ نے اس آیت پر عمل کرتے ہوئے نماز کی ہر آیت میں رکوع تو ایک ہی کیا لیکن سجدے ہمیشہ دو کیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تشریح کبھی حضرت رسالت مآب ﷺ کے اقوال سے ہوتی ہے اور کبھی اعمال و افعال سے۔ اس لیے جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہدایت کے لیے صرف قرآن کافی ہے اور سنت یا احادیث کی کوئی ضرورت نہیں تو پھر وہ اس مندرجہ بالا سوال کا جواب دے دیں۔

فرمایا

ادب اور بے ادبی کا مدار کبھی عرف پر بھی ہوتا ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ کے دور میں یہودی اپنی عبادت گاہ میں داخل ہونے سے پہلے جوتے اُتار دیا کرتے تھے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی مخالفت کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہودیوں کے برعکس تم لوگ مسجد میں جوتوں سمیت آیا کرو۔ چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے جوتوں سمیت مسجد میں جانا بھی ثابت ہے۔ لیکن اب مسلمان ہر جگہ مسجد میں جوتے پہن کر جانے کو بے ادبی سمجھتے ہیں تو مسجد کی تعظیم کا اعتبار اب عرف پر آ گیا اور مفتی حضرات نے فتویٰ دیا کہ مسجد میں جوتے پہن کر داخل ہونا مکروہ ہے۔ ایسے ہی عرب اور انگریز اپنے بڑوں کو اَنْتَ (تو) You (تو) کہہ کر بلاتے ہیں اور ہمارے ہاں بڑوں کے لیے ''آپ'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی اپنے بڑوں یا ماں باپ وغیرہ کو یہاں ''تو'' کہہ کر پکارے گا تو بے ادب سمجھا جائے گا اور فی الواقع ہے بھی ''بے ادب'' کہ عرف عام کا اعتبار نہیں کرتا۔

فرمایا

فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم جن امور پر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بات نہ کرنا بہتر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوا کرتا کہ اگر کوئی شخص وہ کام کر لے تو گناہ کا مرتکب ہوگا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کام کو اگر کر بھی لے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کی کوئی سورت یا چند آیات کا پڑھنا واجب ہے اور آخری دو رکعتوں میں جیسے ظہر، عصر اور عشاء یا آخری ایک رکعت میں جیسے کہ مغرب، میں سورۂ فاتحہ کے بعد اگر کوئی سورت یا چند آیات پڑھے تو اس پر فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم فتویٰ دیتے ہیں کہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان

آخری رکعتوں میں سورت یا آیات کا ملانا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص یوں کرے تو گناہ نہ ہوگا۔

اس کی ایک دوسری مثال یہ بھی ہے کہ جس شخص نے قربانی کرنی ہو اس کے لیے ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد ناخن تراشنا یا جسم کے بال لینا مناسب نہیں۔ مستحب یہ ہے کہ قربانی ہو چکنے کے بعد صفائی حاصل کرے لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل نہیں کرتا ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی سے پہلے ان نو دنوں میں صفائی حاصل کرتا ہے۔ ناخن ترشواتا ہے تو یہ بالکل جائز ہے کوئی گناہ نہ ہوگا۔

فرمایا بدعت، جب اہل بدعت کا شعار نہ رہے تو پھر اس کام کو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کسی کام پر بدعت کا حکم لگانے کے لیے بہت احتیاط چاہیے۔ کوئی کام اگر بنیادی طور پر کتاب وسنت سے نہیں ٹکراتا، تو وہ بدعت نہیں ہوتا اگر چہ اس کام کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل بھی نہ ہو۔ قرآن کریم جو رکوعات میں تقسیم کیا گیا ہے تو اس تقسیم کی کتاب وسنت میں کیا دلیل ہے؟ اور ایسے ہی ہر آیت کے بعد نمبر شمار لکھ دیا گیا ہے، اس لکھنے کی بھی، کتاب وسنت سے کیا دلیل ہے؟ عام طور پر کھانے کی دعوت میں اصل کھانے کے بعد جو میٹھی چیز (Sweet Dish) کھلائی جاتی ہے اس کا کتاب وسنت میں کیا ثبوت ہے؟ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر چہ میٹھا پسند تھا لیکن دعوتوں میں جس اہتمام سے میٹھا کھلایا جاتا ہے اس اہتمام کی اصل کیا ہے؟ خود مدارس کا پختہ اور خوب آرام دہ بنانے کا مسئلہ بھی ایسے ہی ہے کہ کتاب وسنت میں ایسے مدارس کا کیا جواز ہے؟ سو یہی کہیں گے کہ

یہ تمام افعال کتاب وسنت کے منافی نہیں اگر چہ براہ راست ان کا ثبوت بھی نہیں۔ ایسے ہی کوئی کام درحقیقت جائز ہو اور اہل بدعت کا شعار بن جائے تو جب تک وہ ان کا شعار رہے گا، اس وقت تک اس کام کو نہیں کیا جائے گا کہ اہل بدعت سے مشابہت پیدا نہ ہو اور جب وہ وقت گذر جائے اور وہ فعل اہل بدعت کا شعار نہ رہے تو پھر اس کام کو کرنے میں بھی کوئی حرج نہ ہوگا۔ مثلاً کسی زمانے میں اہل السنہ والجماعۃ کے فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے سے منع فرماتے تھے کہ اس زمانے میں یہ اہل بدعت کا شعار تھا۔ اب کوئی منع نہیں کرتا کہ اب دائیں ہاتھ کو انگوٹھی کے لیے مخصوص کرنا اہل تشیع کے شعائر میں سے نہیں رہا۔ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی کتابوں میں اس اصول کی متعدد مثالیں ملیں گی۔

بدعت کو کبھی تو اس وجہ سے منع کرتے ہیں کہ اس فعل میں بدعتیوں سے مشابہت پیدا ہوتی ہے اگر چہ وہ فعل سنت سے ثابت ہی کیوں نہ ہو ہاں جب کوئی فعل بدعت اور واجب کے درمیان دائر ہو جائے تو اس کام کو کیا جائے گا کیونکہ واجب فعل کا کرنا ضروری ہے، بدعت کا لحاظ نہ کیا جائے گا اور جب کوئی فعل سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو اس کام کو چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ بدعت کا ارتکاب حرام ہے اور سنت کے اتباع سے کہیں زیادہ ضروری یہ ہے کہ بدعت سے بچا جائے کیونکہ اس کا ارتکاب حرام ہے۔ حرام سے بچنا فرض ہے۔

مثلاً دیکھیے سیاہ عمامہ باندھنا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ فتح مکہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً کے موقع پر آپ نے یہی زیب سر اقدس فرمایا تھا لیکن ہمارے دور میں یہ شیعہ اور خوارج دونوں کا یکساں شعار بن گیا ہے اس لیے اس سے منع کیا جائے گا کہ یہ سیاہ عمامہ ان دونوں بدعتی فرقوں کا شعار بن گیا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ اس سے بچیں گے کہ یہ اگر چہ سنت سے ثابت لیکن اہل بدعت کا شعار ہے لہٰذا اس مشابہت سے

بچنا واجب ہے۔

اور کبھی بدعت سے بچنا اس لیے بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ فعل سرے سے شریعت سے ثابت نہیں ہوتا۔ شیعہ جو تعزیہ برآمد کرتے ہیں اس کی اصل شریعت میں کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ دور از کار تاویلات سے ثابت کیا جاتا ہے اور الزامی جوابات دیے جاتے ہیں ورنہ تو یہ خود اہل تشیع کے ہاں بھی متفقہ طور پر ثابت نہیں ہے۔ اس لیے جو کام دراصل شرعاً ثابت ہی نہ ہو اور وہ ایسا کام ہو جو امور شرعیہ میں معاون ثابت ہوتا ہو، یا امور خیر کا وسیلہ بنتا ہو تو ایسا کام بدعت اور حرام کے زمرے میں آئے گا اس لیے اس سے بچنا بھی ضروری ہوگا۔

اور کبھی کوئی شخص اہل بدعت جیسا کام خود کرتا ہے تاکہ وہ اہل بدعت سے مشابہت پیدا کر سکے، اپنے آپ کو انہی میں سے ایک ہونے کا تاثر دے تو پھر مسئلہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ آخر وہ یہ تاثر کیوں دینا چاہ رہا ہے؟ اس لیے کہ انھیں دھوکہ دے تو دھوکہ تو انھیں دینا بھی جائز نہیں ہے، جو دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ کجا یہ کہ اہل بدعت کو دھوکہ دیا جائے کہ وہ کم سے کم دائرہ اسلام میں تو داخل ہیں۔ یا وہ یہ تاثر اس لیے پیدا کرنا چاہتا ہے کہ اہل بدعت نے ہتھیار اٹھا لیے ہیں۔ خوارج کی طرح عام مسلمانوں کے جان و مال کو مباح سمجھ کر وحشیانہ حرکتیں کر رہے ہیں۔ شرعی حکومت انھیں تہہ تیغ کرنے کی غرض سے مخبری کے لیے اپنی فوج کو اہل بدعت کے شعائر اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے۔ تو ان مقاصد کے لیے اہل بدعت کے شعائر کو شرعی فرائض کو انجام دینے کی غرض سے، اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یا کسی وقت علماء کرام کو جو صحیح معنی میں اصحاب علم وتقویٰ ہوں اور ڈر رہے

ہوں کہ ان اہل بدعت پر اگر کام نہ کیا گیا اور دین کی صحیح تصویر ان کے سامنے نہ رکھی گئی تو یہ اب تو بدعتی ہیں، پھر کافر ہو جائیں گے تو اس صحیح مقصد کے تحت اور کفر سے بچانے کی خاطر یہ کسی وقت اہل بدعت کے شعائر کو اپنا لیں تو اس میں بھی کچھ حرج نہ ہوگا لیکن یہ راستہ بہت خطرناک ہے۔ اس راہ پر اسی کو چلنا چاہیے جو علماء راسخین کے زمرے میں آتا ہو۔ علم میں منجھا اور سلوک وتصوف کی گھاٹیوں کو عبور کر چکا ہو اور مشہور مقتداء بھی نہ ہو ورنہ ان کو کفر سے بچاتے بچاتے اپنے متبعین کو بدعات کے گڑھے میں پھینک دے گا۔

فرمایا

صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے فقیہ تھے اس کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے، جب کوئی شخص خود فتح القدیر کا مطالعہ کرے۔ فقہ حنفی کے اصولوں پر فروعات کو ایسے منطبق کرتے ہیں کہ گویا انگوٹھی میں ہیرا جڑتے ہیں۔ کتاب الصلوٰۃ میں یہ بحث کی ہے کہ نماز مغرب کے فرائض سے پہلے، دو نفل پڑھنا کیسا ہے؟ اور آخر پر لکھا ہے کہ تمام بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو نفل مستحب نہیں ہیں، لیکن کیا یہ ثابت ہو سکے گا کہ یہ دو نفل مکروہ ہیں؟ نہیں کیونکہ کراہت ثابت کرنے کے لیے نفی استحباب کے علاوہ کوئی مستقل دلیل درکار ہے۔ ہے کوئی ٹھکانہ اس فقاہت کا۔ پچھلی صدی کے مفتی اور علماء حضرات طاب اللہ ثراہم بوقت ضرورت ہی سہی اس کا کچھ نہ کچھ مطالعہ کر ہی لیا کرتے تھے اب تو وہ بھی نہ رہے۔ علماء وفقہاء احناف اس عظیم کتاب کی طرف اعتنا فرماتے، اس کی تحقیق وتخریج ہوتی اور کم سے کم ایک نسخہ ہی ایسا تیار ہو جاتا کہ اس کا سہولت سے مطالعہ کیا جا سکتا مگر اب تک ایسے بھی میسر نہیں۔